تحقیق کیا اور کیسے؟

ڈاکٹر غزل کاشمیری،
شعبہ اسلامیات، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔

(قارئین میرے اس مضمون سے پہلے ڈاکٹر عطاء الرحیم صاحب کا مضمون ''تحقیقی مقالہ کس طرح لکھا جائے'' ضرور پڑھ لیں جو اورینٹل کالج میگزین پنجاب یونیورسٹی ۲۰۰۱ء میں چھپا ہے۔)

اہل علم کے ہاں یہ مشہور ہوگیا ہے کہ تحقیق وہ ہوتی ہے جس میں کوئی تخلیقی عمل ہو۔ سابقہ مثال کے بغیر کسی چیز کو منظر عام پر لانا یا کسی شے کو عدم سے وجود میں لانا تخلیق کہلاتا ہے۔ یہ عمل یا صفت ذات باری تعالٰی کے ساتھ مخصوص ہے۔ تخلیق بندے کے بس کی بات نہیں بلکہ بندہ تو خود مخلوق ہے۔

خدا نے جب کائنات تخلیق کی...... چاہے یہ تخلیق یکبار ہوئی ہو یا مختلف وقفوں میں...... تو اس کے شعوری اور مادی قوانین بھی اس کے اندر رکھ دیئے۔ انہیں قوانین کا انکشاف، تفتیش، تدقیق، یا تلاش کو تحقیق کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے انگریزی کا ایک جامع لفظ وضع کیا گیا ہے جسے Research کہا جاتا ہے۔ یہی تلاش دگر یا دریافت نو تحقیق کہلاتی ہے۔ اس عمل کو تخلیق صرف تغلیباً کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی محقق کائنات میں سے کسی شعوری یا مادی قانون کو طشت ازبام کرتا ہے تو وہ بقیہ اہل علم کیلئے نئی چیز ہوتی ہے۔ وہ پوشیدہ اور مخفی قانون جب آشکارا ہوتا ہے اہل علم پکار اٹھتے ہیں! ایک تخلیق سامنے آئی ہے'' حالانکہ ہوتی وہ تحقیق ہے۔ اسے غلط العام کہا

جائے تو بے جا نہ ہوگا (یاد رہے غلط الخاص میری ترکیب ہے)۔

تحقیق کا پہلا مرحلہ:

تحقیق کا پہلا اور اساسی مرحلہ محقق کا شوق اور لگن ہے۔ اسے ہمہ وقت ''ہل من مزید'' کی ہوس اور حرص رکھنی چاہئے۔ کسی جدید یا پیش آمدہ قضیئے کے حال کی تڑپ اسے بے قرار رکھے۔ ہر لمحہ تگ و دو اور آبلہ پائی سے اسے لیس رہنا چاہئے۔ اس علمی چبھن یا کسک کے بغیر اس کے اندر تحقیق کا مادہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی کے ساتھ کثرت مطالعہ جز و لازم ہے۔ کوئی موضوع جو محقق کے ذہن میں شعلہ سا بن کر لپکتا ہے یا کوئی خیال کوند جاتا ہے۔ اس سے متعلقہ تمام کتب پر نظر ڈالنی چاہئے۔ تمام کتب سے میری مراد جہاں تک ممکن ہوسکے وہ ان کتب سے استفادہ کرے۔ اس کی رسائی اپنی زبان کے علاوہ عربی، فارسی اور انگریزی وغیرہ میں لکھی جانے والی کتب تک بھی حتی الوسع رہنی چاہئے۔ دوران مطالعہ اسے کسی نہ کسی کتاب میں ضرور پتہ چلے گا کہ اس میں بھی زیر بحث موضوع کے بارے میں شرح صدر ہو جاتا ہے اور مسئلہ کا حل اچانک منکشف ہو جاتا ہے ابو علی سینا کہتا ہے ''میں نے ارسطو کی مابعد الطبیعیات چالیس مرتبہ پڑھی۔ لیکن میری سمجھ میں نہ آئی۔ آخر میں اس پر لکھی ہوئی فارابی کی شرح پڑھی تو مجھے اس کی سمجھ آ گئی۔''(۱)

ایک بار امام بخاریؒ کے وراق نے آپ سے پوچھا کیا حافظہ کیلئے کوئی دوا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا میں نہیں جانتا۔ پھر فرمایا حافظہ کیلئے بہترین دوا انسان کا شوق اور مسلسل مطالعہ ہے۔''(۲)

تحقیق کا دوسرا مرحلہ:

تحقیق کا دوسرا مرحلہ محقق کا اپنی سوچ، خیالات اور نظریہ کو خوبصورت الفاظ کے قالب میں ڈھالنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ طبعی سائنس دان اور ماہرین عمرانیات اپنی تحقیق کو زمان و مکان کے مطابق ہیئت جدید اور اسلوب بدیع میں پیش کرتے ہیں۔ گویا ہر محقق کا انداز اور پیشکش ہی اسے تخلیق کار کے

دائرہ کے قریب لے جاتی ہے۔ہم اس کیلئے چند نرالی مثالیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

قرآن پاک میں کئی مقامات پر یہ بیان ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کوحکم دیا کہ وہ آدم کوسجدہ کریں۔مگر فرشتے ایسا کرنے سے ہچکچائے۔تو اللہ نے فرشتوں سے کہا اچھا تم مجھے فلاں فلاں اشیاء کے نام بتاؤ۔مگر فرشتے وہ نام نہ بتا سکے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے آدم کومخاطب کرتے ہوئے کہاتم ان اشیاء کے نام بتاؤ۔ چنانچہ آدم نے ان اشیاء کے نام بتا دیئے اور ملائکہ ان کے آگے سجدہ ریز ہوگئے۔گویا آدم نے کوئی ''تخلیق'' کی تھی۔حقیقت یہ ہے کہ وہ اشیاءتو کائنات میں موجودتھیں مگر آدم نے اپنی محنت اور کاوش سے پہلے تو ان کا سراغ لگایا اور پھر اپنے مخصوص انداز میں ان اشیاء کے نام بھی بتا دیئے۔یعنی آدم کی کھوج اور پیش کش نے اسے مسجود ملائکہ بنا دیا۔(۳)

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے جب ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' شائع کیا تو تمام اہل علم نے اسے ایک تخلیقی شاہکار قرار دیا۔ حالانکہ یہ صحیفہ جرمنی اور دمشق کے کتب خانوں میں موجود تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے تلاش کرکے نئے انداز سے ایڈٹ کیا اور یہ نظریہ دیا کہ کتابت حدیث کا اہتمام عہد رسالت میں ہوگیا تھا اور اس کا بین ثبوت یہ ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' ہے۔ اہل علم نے اسے ڈاکٹر صاحب کی تخلیق قرار دیا حالانکہ یہ انکی تحقیق تھی۔

امام ابو حنیفہؒ (م ۱۸۰ھ) نے اصل سے فروع کے استنباط و استخراج کا جومنوال متعارف کرایا وہ ایک نایاب انداز ہے۔ حالانکہ وہ منوال احادیث میں منتشر طور پر موجود تھا۔ یا کچھ بنیادیں آپؒ کے ذہن میں تھیں۔مگر آپؒ نے یہ طریقہ اپنے عہد کے مطابق ڈھالا اور اسے منظم و مبوب شکل میں پیش کیا۔امام صاحب نے یہ اصول تحقیق کرکے پیش کئے تھے نہ کہ یہ ان کی تخلیق تھے۔

امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ (م ۲۵۶ھ) کی ''الصحیح'' کو ہم ایک تخلیقی شاہکار قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ ایک تحقیقی کتاب ہے۔ وہ صرف آپ کی اچھوتی ترتیب اور ادق پیشکش کی وجہ سے روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب کا اعزاز حاصل کرسکی ہے۔

علامہ عبدالکریم ابوالقاسم القشیریؒ (م۴۶۵ھ) نے جب تصوف کو متعارف کرایا تو اس وقت یہ ایک بدعی اصطلاح تھی۔ حالانکہ تصوف کے اعمال و اوراد یا ذکر اللہ قرآن پاک اور رسول اللہؐ کے اعمال سے ثابت ہیں۔ مگر آپ نے ان اعمال کو شکل جدید میں منظم، منزہ و منقی کر کے پیش کیا اور ''الرسالہ القشیریہ'' تصوف پر پہلی تصنیف ہونے کا درجہ حاصل کر گئی (یاد رہے یہاں بدعی سے مراد انوکھی ہے نہ کہ دینی بدعت)

علامہ ابن خلدون (م ۱۴۰۶ء) نے معاشروں کے عروج و زوال کے جو قوانین بیان کئے خاص کر نظریہ عصبیت انہوں نے مروجہ وہم عصر معاشروں کے گہرے مشاہدہ کے بعد اخذ کیا گیا تھا۔ گویا وہ قوانین مختلف معاشروں میں جاری و ساری تھے۔ ابن خلدون نے انہیں اپنی علمی گرفت میں لیا اور اہل علم کے آگے پیش کر دیا۔ یہی تحقیق ہے۔ سہوا اسے تخلیق کہہ دیا جاتا ہے۔ دراصل محقق کی نظر وہاں تک پرواز کرتی ہے جہاں عام اہل علم کے پر جلتے ہیں۔ "ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"

تحقیق کا تیسرا مرحلہ:

تحقیق کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ محقق دو علوم میں پیوند کاری (Grafting) کرے۔ ایک اس علم میں جس کا وہ منتہی اور مخصص ہے اور دوسرا اس علم میں جسے وہ از خود حاصل کرے گا۔ اس کو ایک سادہ سی مثال کے ذریعے اسطرح سمجھایا جاسکتا ہے۔ فرض کریں ایک محقق اسلام کے معاشی نظام پر مقالہ سپرد قلم کرنا چاہتا ہے تو ظاہر ہے اسلام پر تو وہ دسترس رکھتا ہے لیکن علم معاش اسے علیحدہ سے پڑھنا پڑے گا اور ان دونوں علوم کے ملاپ سے تحقیق جنم لے گی۔ ہمارے دوست ڈاکٹر نور محمد غفاری صاحب نے جب اپنے موضوع (Social Security in Islam) پر پی۔ ایچ۔ ڈی کیلئے کام کرنا شروع کیا تو جامعہ پنجاب نے اس کیلئے شرط عائد کی کہ پہلے وہ علم معاش میں درک حاصل کریں۔ چنانچہ آپ نے علوم اسلامیہ کے ساتھ معاشیات میں ایم۔ اے کی ڈگری علیحدہ حاصل کی اور پھر مقالہ لکھنا شروع کیا۔ آج ان کی بے شمار کتب اس موضوع پر داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

تحقیق کا چوتھا مرحلہ:

محقق پر لازم ہے کہ وہ اپنی تحقیق کو خوبصورت انداز اور دوعلوم میں پیوند کاری کے ساتھ ساتھ کسی ایسی کمی کو پورا کرے جو سابق محققین کے فن پاروں میں رہ گئی ہو۔ یا ایسی تشنگی محسوس کرے جسے وہ اپنی نئی تحقیق کی آبشار سے بجھا سکے۔ اس مرحلہ کی وضاحت ہمیں بے شمار مثالوں سے کرنی پڑے گی۔ تبھی یہ مرحلہء شوق طے ہوگا۔ چونکہ میرا مطالعہ زیادہ تر علوم القرآن سے متعلق ہے لہذا میں مثالیں بھی اسی موضوع سے دونگا۔

عربی زبان میں بے شمار تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ ہر مفسر نے تقریباً یہی دعوی کیا ہے کہ اس کے تفسیر لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ مفسرین سابقین کے ہاں یہ فلاں خلا رہ گیا ہے جسے وہ اب پر کر رہا ہے۔

امام فخر الدین الرازیؒ (م۶۰۶ھ ۔ ۱۲۱۰ء) فتوح الغیب یا تفسیر کبیر لکھنے کا جو سبب بیان کرتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ الفاتحہ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔ "**اعلم أنه مر علی لسانی فی بعض الاوقات أن هذه السورة الکریمة یمکن ان یستنبط من فوائد هاونفائسها عشرة آلاف مسئلة فاستبعد هاهذ ابعض الحسادو قام من اهل الجهل والغی والعناد و حملوا ذلک ماالفوه من انفسهم من التعلیقات الفارغة عن المعانی والکلمات الخالیة عن تحقیق المعاقد والمبانی. فلما شرعت فی تصنیف هذا الکتاب قدمت هذه المقدمة لتصیر کا لتنبیه علی ماذکر ناه امر ممکن الحصول و قریب الوصول و نقول وبالله التوفیق.**" (۴)

''جان لو بعض اوقات میرے ذہن میں یہ خیال آتا تھا کہ اس سورہ کریمہ کے فوائد اور نفائس سے دس ہزار مسائل کا استنباط ممکن ہے۔ بعض حاسدوں نے اسے بعید جانا اور کچھ جاہل سرکش اور معاند حضرات سامنے آگئے اور اپنی ان تعلیقات اور تشریحات کو جو معانی سے کھوکھلی اور بنیادی اصول تحقیق سے خالی تھیں۔ میرے دعوے کے خلاف پیش کرنا شروع کر دیا۔ اس پر میں نے یہ

مقدمہ لکھا تا کہ جو دعویٰ میں نے کیا ہے اس کا اعلان ہو جائے کہ یہ کام ممکن الحصول اور قریب الوصول ہے۔ چنانچہ ہم اللہ کی توفیق سے کہتے ہیں۔''

صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب کے نزدیک سورہ الفاتحہ سے اتنے کثیر مسائل کا استخراج پہلے نہیں ہوا تھا اور اب وہ اس خلا کو پر کرنے کا عزم لے کر اُٹھے ہیں۔

امام تقی الدین احمد ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ ـ ۷۲۸ھ/۱۲۶۳ء-۱۳۲۸ء) نے قرآن پاک کی آخری سورتوں کی تفسیر قلم بند کی ہے۔ آپ اپنی اس تفسیر کا جواز یوں پیش کرتے ہیں۔

''إن القران فيه ماهو بين بنفسه و فيه ماقد بينه المفسرون في غير كتاب ولكن بعض الآيات اشكل تفسير هاعلى جماعة من العلماء فربما يطالع الانسان عليها عدة كتب ولايتبين له تفسير هاور بما كتب المصنف الواحد فى آية تفسيراً ويفسر غير هابنظيره فقصدت تفسير تلك الآيات بالدليل لانه اهم من غيره واذاتبين معنى آية تبين معانى نظائرها...... ربما طالعت على آلآية الواحدة نحو مئة تفسير ثم اسأل الله الفهم واقول يا معلم آدم وابراهيم علمنى'' (۵)

''بے شک قرآن کی بعض آیات وہ ہیں جو اپنی تفسیر خود کرتی ہیں اور بعض آیات وہ ہیں جن کی تفسیر مفسرین نے اپنی بے شمار کتابوں میں کی ہے۔ پھر بھی بعض آیات کی تفسیر علماء کی ایک جماعت کے نزدیک بہت مشکل ہے۔ بسا اوقات انسان اس سلسلہ میں بے شمار کتب کا مطالعہ کرتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ ان کی تفسیر بیان نہیں کر سکتا۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی مصنف کسی ایک آیت کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ مگر اس سے مماثل دوسری آیت کی تفسیر کچھ اور بیان کرتا ہے۔ میں نے انہی آیات کی تفسیر دلیل سے کرنے کا قصد کیا۔ کیونکہ یہ طریقہ تفسیر زیادہ اہم ہے۔ اس طریقہ سے جب ایک آیت کا معنی واضح ہو جائے گا تو اس سے ملتی جلتی دوسری آیت کا معنی از خود نکھر کر سامنے آ جائے گا۔ بے شمار بار ایسا ہوا کہ ایک آیت کی تفسیر کیلئے میں نے سو تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ پھر بھی میں

نے اللہ سے فہم قرآن کی دعا کی اور کہا اے آدم و ابراہیم کے معلم مجھے علم عطا کر۔''

امام موصوف نے واضح انداز میں کہا ہے کہ قرآن پاک کی بعض آیات کی تفسیر علماء کی ایک جماعت کے نزدیک بہت مشکل ہے۔ میں اس مشکل کو دلیل سے دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

چند مثالیں اردو تفاسیر سے بھی ملاحظہ فرمالیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ (م۱۹۴۲ء) بیان القرآن لکھنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ''ہر چند تراجم و تفاسیر محققین سابقین کے بالخصوص خاندان عزیزیہ کے ہر طرح کافی و وافی ہیں۔ مگر ناظرین کی حالت و طبیعت کو کیا کیا جائے کہ بعض تفاسیر میں عربی یا فارسی نہ جاننے کی مجبوری بعض تراجم میں اختصار یا زبان بدل جانے کا عذر مانع دلچسپی ہوا۔ تامل و مشورہ سے بھی ضرورت ثابت ہوئی کہ ان لوگوں کو کوئی نیا ترجمہ دیا جائے۔ جس کی زبان و طرز بیان و تقریر مضامین میں ان کے مذاق و ضرورت کا حتی الامکان پورا لحاظ رہے اور ساتھ ہی اس کے کوئی جزو میں مضمون خواہ جزو قرآن ہو یا اس کے متعلق نہ ہو وہ نہ رہ جائے۔''(٦)

مولانا کے اس خطبہ سے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ محقق کو اپنے عہد و حالات کے مطابق انداز بیان اپنانا چاہئے۔ چونکہ آپ کے عہد میں زبان بدل چکی تھی یا لوگ عربی و فارسی سے دور ہوتے جارہے تھے۔ لہٰذا ان کے مذاق کے مطابق قرآن کا ترجمہ کرنا ان پر لازم ہوا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ (م۱۹۷۹ء) تفہیم القرآن کے دیباچہ میں فرماتے ہیں کہ:

''قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر پر ہماری زبان میں اب تک اتنا کام ہو چکا ہے کہ اب کسی شخص کا محض برکت و سعادت کی خاطر ایک نیا ترجمہ یا ایک نئی تفسیر شائع کر دینا وقت و محنت کا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے۔ اس راہ میں مزید کوشش اگر معقول ہو سکتی ہے تو صرف اس صورت میں جب آدمی کسی ایسی کسر کو پورا کرے جو پچھلے تراجم و تفاسیر سے پوری نہ ہوتی ہو......ان صفحات میں ترجمانی

وتفہیم قرآن کی جو سعی کی گئی ہے وہ دراصل اسی بنیاد پر ہے۔ میں نے اس کتاب میں ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔(۷)

گویا مولانا مودودی کے نزدیک قرآن کی آزاد ترجمانی کسی سابق محقق نے نہیں کی اور اسی کسر کو وہ پورا کر رہے ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہریؒ (م ۱۹۹۹ء) ضیا القرآن لکھنے کا سبب یوں رقم طراز کرتے ہیں!

''قرآن کریم کے اردو تراجم جو میری نظر سے گذرے ہیں وہ عموماً دو طرح کے ہیں۔ ایک قسم تحت اللفظ تراجم کی ہے (غالباً اشارہ شاہ عبدالقادرؒ کے موضح القرآن کی طرف ہے) لیکن ان میں وہ زور بیان مفقود ہے جو قرآن کریم کا طرۂ امتیاز ہے بلکہ اس کی روح رواں ہے دوسری قسم بامحاورہ ترجمہ کی ہے۔ ان میں دقت یہ ہے کہ لفظ کہیں ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ دو سطر پہلے یا دو سطر بعد درج ہوتا ہے اور مطالعہ کرنے والا یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ جو نیچے لکھا ہوا ترجمہ پڑھ رہا ہوں اس کا تعلق کس کلمہ یا جملہ سے ہے (غالباً اشارہ مولانا مودودی کی تفہیم القرآن کی طرف ہے) میں نے سعی کی ہے کہ ان دونوں طرزوں کو اس طرح یکجا کر دوں کہ کلام کا تسلسل اور روانی بھی برقرار رہے اور زور بیان میں بھی (حتی الامکان) فرق نہ آنے پائے اور کلمہ کا ترجمہ اس کے نیچے بھی مرقوم ہو۔''(۸)

پیر کرم شاہ صاحب نے قرآن کے تحت اللفظ ترجمہ اور با محاورہ ترجمہ میں تطبیق دینے کا دعویٰ کیا ہے۔ جو کسی سابق مفسر نے نہیں کیا۔

مندرجہ بالا مثالیں اس دعویٰ کی تائید میں پیش کی گئی ہیں کہ محقق پر لازم ہے کہ جب وہ کسی قسم کی تحقیق کا بیڑہ اٹھائے تو اس میں سابقہ محققین کی کسی کمی کو بھی پورا کرے۔

تحقیق کا آخری مرحلہ:

یہ وہ مرحلہ ہے جسے میں سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں محقق کو اپنی محنت...... چھوٹا مضمون

یا پی ایچ ڈی سطح کی کتاب..... کو بقول مشتاق احمد یوسفی پال میں رکھ دینا چاہیے۔ وہ اس پر نظر ثانی کرتا رہے۔ اسمیں حک و اضافہ، کانٹ چھانٹ اور تراش خراش کرتا رہے۔ علمی اصطلاح میں اسے مثقف و مہذب بناتا رہے۔ بہائم و انعام اپنے بچوں کو چاٹ چاٹ کر خوبصورت بناتے ہیں۔ تحقیق بھی محقق کا بچہ ہوتی ہے۔ اسے بھی اپنے بچے کو حسین بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیئے۔ جب اسے حق الیقین ہو جائے کہ اس کا پھل پک گیا ہے تو اسے پال سے نکال کر اہل علم کے سامنے پیش کرے۔ اگر چہ دعویٰ پھر بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تحقیق ہر لحاظ سے متخلق بالا و صاف ہوگئی ہے..... ہر لحاظ سے مکمل و متمم تو اللہ کی ذات ہے..... تاہم جب اسے معلوم ہو جائے کہ حتی الامکان اور حتی الوسع یہ خامیوں سے بری ہے تو اسے شائع کرانے میں کوئی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے ورنہ اس موضوع پر کسی اور کی تحقیق منظر عام پر آ سکتی ہے۔ اس ہمہ وقت نظر ثانی کے باوجود اگر تحقیق میں کوئی خامی یا خلا رہ جائے تو محقق کو نادم یا شرمسار ہونے کی ضرورت نہیں۔ بعد میں آنے والے صاحبان علم اس کی تصحیح کر دیں گے۔ کچھ کام بعد میں آنے والوں کیلئے چھوڑ دینے چاہئیں۔ اگر ہر صاحب علم پختہ اور مکمل ہو جائے تو علمی ارتقاء نہیں ہوگا۔ دانش کا بہاؤ رک جائے گا۔ سابق مبصرین کی اغلاط کی نشان دہی کرنا یہ بھی تحقیق کا جزء ہے۔ **"ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء و النسیان وما استکر ھوا علیہ."** (۹)

"بے شک اللہ نے میری امت سے خطاء اور نسیان اور جبراً کرائے گئے امور سے درگذر فرمایا ہے۔" کسی غلطی سے محقق کی قدر و منزلت میں فرق نہیں آتا۔

میں علوم اسلامیہ کے چند سابقون اولون علماء کی نشاندہی کرتا ہوں جن کی کسی کوتاہی کے باوجود ان کی پیش کردہ تحقیق کی جلالت شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

امام راغب الاصفہانی (۵۰۲ھ۔۱۱۰۸ء) نے قرآنی الفاظ کی شرح پر ایک معرکہ آرا کتاب لکھی ہے جس کا نام **"المفردات فی غریب ألفاظ القرآن"** ہے۔ ماہرین علوم قرآنی کا اتفاق

ہے کہ الفاظ قرآن کی تفہیم میں اس سے بہتر کتاب آج تک نہیں لکھی گئی متاخرین میں سے جس نے بھی اس میدان میں قدم رکھا وہ اسے عبور کر کے آگے نہ جاسکا۔ الفاظ قرآن کے مترادفات اور ان کے استعمالات جس اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس کتاب میں پیش کئے گئے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اس کتاب کا ندوضد پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ اگر کسی نے اس باب میں خامہ فرسائی کی بھی تو "المفردات" کی خوشہ چینی سے اسے مفر نہیں رہا۔ مگر امام موصوف سے لفظ املاق بمعنی تنگ دستی رہ گیا ہے جب کہ یہ لفظ قرآن پاک میں دو جگہ آیا ہے۔(۱۰) اس کے باوجود یہ نادر روزگار کتاب آج تک اپنے میدان کی مستند کتاب مانی جاتی ہے۔

مگر افسوس ان علماء پر ہے۔ چاہے عربی کے ہوں اور چاہے اردو کے......جنہوں نے بعد میں اس کتاب کو ایڈٹ کیا مگر انہوں نے اس سہو یا کمی کی کوئی نشاندہی نہیں کی اورمن وعن المفردات کو چھاپ دیا۔ ایڈٹ کرنا اس وقت تک تحقیق نہیں کہلاتا جب تک کہ صاحب قلم کتاب کے مالہ وماعلیہ پر بحث نہ کرے۔ کیا کیا جائے اس سہل انگاری کا جس کی طرف علامہ اقبالؒ نے یوں اشارہ کیا ہے۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

اسلاف کا سوز و دروں یا خون جگر شائد سرد پڑ گیا ہے۔ آجکل ہر رطب و یابس اور الجھی ہوئی بے ربط تحریروں کو تحقیق کا درجہ دیدیا گیا ہے۔ لفظ بہ لفظ نقالی فطرت بن گئی ہے۔ ناقد ناپید ہوگئے ہیں۔ کیونکہ شوق کتب بینی ماند پڑ گیا ہے۔

ابن خلدونؒ کا مشہور زمانہ مقدمہ فلسفہ اجتماع یا عمرانیات پر حرف آخر سمجھا جاتا ہے۔ ابن خلدون کی ایک فاحش غلطی ملاحظہ ہو۔ آپ سورج کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "وأ الشمس فی نفسها فغیر حارة ولا باردة وانماهی کوکب مضئی لا مزاج له" (۱۱)

جہاں تک سورج کا تعلق ہے تو یہ فی نفسہ نہ گرم ہے اور نہ سرد یہ تو ایک روشن ستارہ ہے اس کا اپنا کوئی مزاج نہیں'' آپ نے سورج کے گرم ہونے کا نظریہ رکھنے والوں کو جاہل تک کہا ہے۔ ابن خلدون کی یہ تحریر قدیم و جدید قاطبۃً سائنس دانوں کے مسلمہ نظریات کے خلاف ہے۔ طبعی سائنس میں جو وقتاً فوقتاً تبدیلیاں آتی رہی ہیں ان میں وقت کے ساتھ ساتھ تصحیح بھی ہوتی رہی ہے۔ مثلاً زمین کے بارے میں کبھی یہ نظریہ تھا کہ یہ چوڑی ہے بعد کے تجربات نے ثابت کیا کہ یہ بیضوی ہے۔ مگر سورج کے بارے میں عہد ابن خلدون سے ماقبل اور مابعد آج تک یہی نظریہ رہا ہے کہ سورج حرارت اور روشنی کا سب سے بڑا منبع ہے۔ ابن خلدون کا دعویٰ کسی حد تک چاند کے بارے میں تو تسلیم کیا جاسکتا تھا۔ مگر اس کے باوجود ابن خلدون کے عالی مقام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آج بھی دنیا کا ہر ماہر عمرانیات مقدمہ سے وضوء کر کے آگے بڑھتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ۔۱۴۴۹ء) کے عظیم محدث ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ جب بھی بحث کے دوران حافظ صاحب کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے تو اہل علم پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے اور ان کی کمر خمیدہ ہو جاتی ہے۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کے نام سے سپرد قلم کی ہے۔ پھر اس شرح کا علیحدہ مقدمہ لکھا۔ جس کا نام ہدی الساری ہے۔ ابن خلدون نے کہا تھا ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ بخاری کی شرح لکھنا اس امت پر قرض ہے۔(۱۲) اور بقول ابو الکلام آزاد حافظ ابن حجر نے یہ قرض چکا دیا ہے۔ حافظ صاحب نے اسی مقدمہ میں صحیح بخاری کی آحادیث کی تعداد بھی بتائی ہے۔ وہ ملاحظہ ہو! فرماتے ہیں:

صحیح بخاری کی کل احادیث بالتکرار	۷۳۹۷
تعلیقات بالتکرار	۱۳۴۱
متابعات باختلاف روایات	۳۴۱

پھر فرماتے ہیں ان کا کل مجموعہ ۹۰۸۲ ہے۔ (۱۳) حالانکہ کل مجموعہ ۹۰۷۹ بنتا ہے۔ حافظ صاحب نے تین آحادیث زیادہ بتا دی ہیں۔ رقمیں ہزار تک ہیں ان کا ٹھیک مجموعہ نکالنا کوئی گنجلک

کام نہیں تھا۔ مگر اس سہو کے باوجود حافظ صاحب کی محدثانہ شان وشوکت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

آخر میں ایک دو جدید مثالیں پیش خدمت ہیں۔ مشہور سکالر فواد عبدالباقی نے قرآنی الفاظ و آیات کا ایک عظیم انڈکس مرتب کیا ہے جس کا نام ''المعجم المفہرس لالفاظ القرآن'' ہے۔ اہل علم نے اس انڈکس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مگر اس انڈکس میں قنطار قناطیر اور مقنطرہ کا نہ مادہ ہے اور نہ باب۔ ☆ فواد عبدالباقی نے جب یہ انڈکس ترتیب دیا تھا تو ان کے پیش نظر فلوگل کی ''نجوم الفرقان فی اطراف القرآن'' تھی۔ اسی طرح کاظم بک کی مفتاح کنوز الایمان بھی طبع ہو چکی تھی۔ ان کتب میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ مگر اس نسیان کے باوجود فواد عبدالباقی کے انڈکس کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس کی اچھوتی اور سہل ترتیب نے محققین کے سامنے سہولت کا ایک باب وا کر دیا۔

مشہور مستشرق اے جے ونسنک (A.J.Winsink) نے الفاظ حدیث کا انڈکس مرتب کیا اس کا نام "**المعجم المفهرس لألفاظ الحديث**" ہے۔ میری معلومات کے مطابق اس میں ''الساعۃ'' اور ''القیامۃ'' بمعنی یوم آخر کا باب نہیں ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس انڈکس کو مرتب کرنے میں فواد عبدالباقی نے بھی اے جے ونسنک کی مدد کی ہے۔ یہ انڈکس پہلی بار ۱۹۶۲ء میں ای جے بریل ہالینڈ سے چھپا تھا۔ اس کوتاہی کے باوجود یہ انڈکس بھی علوم دینیہ کے طلباء کیلئے ایک اہم مرجع و مآخذ ہے۔

مندرجہ بالا مثالیں پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ محقق کو اپنی کسی غلطی پر شرمسار ہو کر حوصلہ ہارنا یا ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ نہیں رہنا چاہئے بلکہ اسے اپنے مشن کی طرف ہر لحہ متوجہ اور اس میں مصروف رہنا چاہئے۔ اس سے اس کی ذات میں یا اس کے علم میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوگا۔

☆ اس انڈیکس میں قنطار، قناطیر اور مقنطرۃ کا مادہ موجود ہے ملاحظہ کیجئے: مادہ (قطر) ص ۵۴۷ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور (نائب مدیر مجلہ تحقیق)

معزز قارئین! ہم نے تحقیق کیلئے بے شمار اصولوں میں سے چند ایک بنیادی اصول بیان کیئے ہیں۔ اگر انہی کو مدنظر رکھ کر تحقیق کی جائے تو وہ تخلیق کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تحقیقی مضمون تحریر کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ محقق جس تگ و تاز اور سوز و ساز سے گذرتا ہے وہ وہی جانتا ہے۔ تحقیق گریہ نیم شبی اور آہ سحری کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ اس میدان کا شہسوار کوئی ایک ہوتا ہے۔

موسم آیا تو نخل دار پہ میر
سر منصور ہی کا بار آیا

عربی زبان کا مشہور شاعرفرزدق کہتا ہے''ونزع ضرس اسھل علی من قول بیت(۱۴)''بسا اوقات ایک حقیقی شعر کہنے کی بہ نسبت میری داڑھ کا نکلنا آسان ہوتا ہے۔''

اک جبر مسلسل اور کرب متابع محقق کے رگ و پے میں سمایا ہوتا ہے۔ جیسا کہ اُوپر امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ایک آیت کی تفسیر کیلئے انہیں سو تفاسیر کا مطالعہ کرنا پڑا۔ لیکن یہ بھی ایک سچ ہے کہ محقق کو اس دردزہ کے بعد جو کیف و سرور اور سرمدی سکون حاصل ہوتا ہے اس کا بھی کوئی جواب نہیں۔

مراجع وحواشی

۱۔ احمد امین، ظہر الاسلام ج۱ ص ۲۶۸ مطبعہ خلف القاہرہ ۱۳۷۷ھ۔1958ء

۲۔ ابن حجر، ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۸ دار المعرفہ للطباعۃ والنشر بیروت الطبعہ الاولی ۱۳۰۱ھ۔

۳۔ یہاں پر یہ شبہ نہیں اٹھانا چاہیے کہ قرآن تو کہتا ہے وعلم ادم الاسماء کلھا کہ آدم کو تمام اسماء تو اللہ نے سکھائے تھے پھر آدم نے کیا تحقیق کی۔ دراصل انسان جو محنت وسعی کرتا ہے وہ اللہ کی توفیق سے ہوتی ہے اور اس کسب وعمل کا جوصلہ حاصل کرتا ہے اسے اللہ بطور تفضّل و لطف یا بطور تشرف اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ مثلاً سورہ المائدہ آیت ۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! "**وما علمتم من الجوارح ملبین تعلمونھن مما علمکم اللہ**" اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو......جن کو خدا کے دیئے ہو علم کی بناء پر تم شکار کی تعلیم دیا کرتے ہو۔"

شکاری جانور کو شکار کی تربیت تو انسان دیتا ہے۔ مگر یہ تربیت اللہ نے اپنی طرف منسوب کی ہے۔

۴۔ تفسیر سورہ الفاتحہ الفصل الاول ص ۳ تحقیق عبدالرحمٰن محمد مکتبۃ البھیۃ المصریہ۔

۵۔ عبدالصمد شرف الدین مجموعہ تفسیر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کلمۃ الناشر ص ا۔

بمبائی الھند ۱۳۷۴ھ۔۱۹۵۴ء

۶۔ خطبہ تفسیر بیان القرآن، میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی۔

۷۔ دیباچہ تفہیم القرآن ص۵۔۶ مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ھ چتلی قبر دہلی اگست ۱۹۹۳ء۔

۸۔ ضیاء القرآن ج/۱ مقدمہ ص۱۲

۹۔ ابن ماجہ ابواب الطلاق باب طلاق المکرہ والناسی۔ اس کے علاوہ حضورؐ نے فرمایا ''ونسی آدم فنسیت ذریتہ' ۔

آدم سے جب بھول ہوگئی تو اس کی اولاد بھی بھولنے لگی۔ ترمذی کتاب التفسیر باب تفسیر سورہ المائدہ۔

۱۰۔ الانعام۔ ۱۵۱ الاسراء ۳۱۔

۱۱۔ مقدمہ ص ۳۱۵۔۶۱۴ مکتبہ المدرسہ و دارالکتاب اللبنانی بیروت ۱۹۶۱ء۔

۱۲۔ مقدمہ ص۷۹۴۔

۱۳۔ ہدی الساری ص ۴۷۰

۱۴۔ ابن قتیبہ الشعر والشعراء ج۱،ص ۱۹ ایڈٹ (M.J.Degoeje) ای جی بریل ۱۹۰۴۔